OPEN ACCESS
Al-Nasr
ISSN (Online): 2958-9398
ISSN (Print): 2959-1015
https://alnasrjournal.com

سوشلزم پہ لکھی گئیں چند اردو کتب کا تعارفی و تجزیاتی مطالعہ

An introductory and analytical study of some Urdu books written on socialism

Abdullah Shahid

Lecturer of Islamic Studies at Superior College, Gujrat.

Abstract

This study provides an analytical overview of major Urdu works written on socialism, focusing particularly on the perspectives of prominent Islamic scholars such as Mufti Muhammad Taqi Usmani, Syed Abul A'la Maududi, and Maulana Wahiduddin Khan. These authors generally consider socialism a Western, non-Islamic ideology that conflicts with Islamic economic principles. The assignment examines the philosophical foundations of socialism, its socio-economic implications, and its comparison with Islamic economic teachings as presented in the selected Urdu texts. It highlights how these scholars critique socialism's concepts of class struggle, state control, and property ownership, and contrast them with Islam's balanced, ethical, and justice-oriented economic framework. By analyzing these texts, the study explores how socialism has been interpreted, critiqued, and positioned within Urdu literature, and how these interpretations reflect the broader intellectual and ideological trends in the Muslim world.

Keywords: Socialism, Urdu Literature, Islamic Economic System, Mufti Taqi Usmani, Abul A'la Maududi, Wahiduddin Khan, Capitalism, Communism, Islamic Economics

تمہید

CC BY

سوشلزم ایک ایسی سیاسی، معاشی، اور سماجی تحریک ہے جس نے دنیا بھر میں نہ صرف اقتصادی نظاموں کو متاثر کیا بلکہ فرد کے حقوق، مساوات، اور طبقاتی جدوجہد کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا۔ سوشلزم کا بنیادی مقصد معاشرتی امتیازات کو ختم کرنا اور وسائل کی منصفانہ تقسیم کے ذریعے ایک بہتر اور زیادہ مساوات پر مبنی معاشرہ قائم کرنا تھا۔ اس نظریے نے دنیا کے کئی ممالک میں مختلف سماجی و سیاسی تبدیلیوں کو جنم دیا، اور اس کے اثرات اردو ادب میں بھی نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

اردو ادب میں سوشلزم پر متعدد کتب تحریر کی گئی ہیں، جن میں مختلف مصنفین نے اس تحریک کے فلسفے، اصولوں اور اس کی تاریخ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتب نہ صرف سوشلزم کے نظریاتی پہلو کو پیش کرتی ہیں بلکہ اس کے سماجی، سیاسی اور اقتصادی اثرات کا بھی تجزیہ کرتی ہیں۔ اردو مصنفین نے سوشلزم کو مختلف زاویوں سے دیکھا ہے؛ کچھ نے اس کے اصولوں کو پذیرائی دی ہے، جبکہ دوسرے نے اس کی عملی پیچیدگیوں اور ممکنہ نقصانات پر تنقید کی ہے۔ اس اسائنمنٹ میں ہم سوشلزم پر اردو زبان میں لکھی جانے والی اہم کتب کا تعارف کریں گے اور ان کا تجزیہ پیش کریں گے تاکہ یہ سمجھا جاسکے کہ اردو ادب میں سوشلزم کی تشریح کیسے کی گئی۔ ان کتب میں سوشلزم کے نظریاتی اور عملی پہلو، اس کے سماجی اثرات اور اس کے حوالے سے اردو مصنفین کے خیالات کا مطالعہ کیا جائے گا۔ اس تجزیے کا مقصد سوشلزم کے اردو ادب میں اثرات کو سمجھنا اور اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ سوشلزم نے اردو ادب کے مصنفین کی فکری سمت کو کس طرح متاثر کیا۔

کتب کا انتخاب

اس اسائنمنٹ میں جس انتخاب کا تجزیہ کیا جائے گا، ان میں بیشتر کتب کے مصنفین نے سوشلزم کو ایک غیر اسلامی اور مغربی نظریہ قرار دیا ہے جو اسلامی معاشی اصولوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ ان کتابوں میں مولانا وحید الدین خان، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی اور مفتی محمد تقی عثمانی جیسے نامور علمائے کرام شامل ہیں جنہوں نے سوشلزم کو اسلامی معاشی نظریات کے مقابلے میں پیش کیا۔ ان کتب کے مطالعے سے سوشلزم اور اسلامی معاشی نظام کے موازنہ کی کوشش کی جائے گی اور یہ دیکھا جائے گا کہ یہ دونوں کس حد تک ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ یا متضاد ہیں۔

چناں چہ منتخب شدہ کتب ذیل میں لکھی جاتی ہیں:

نمبر شمار	کتب کا نام	مصنفین
۱	اسلام اور جدید معیشت و تجارت	مفتی محمد تقی عثمانی
۲	ہمارا معاشی نظام	مفتی محمد تقی عثمانی
۳	اسلام اور جدید معاشی نظریات	مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی
۴	معاشیات اسلام	مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی
۵	سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ	مولانا وحید الدین خان
۶	سوشلزم اور اسلام (تاریخ، تجزیہ، تقابل)	مولانا وحید الدین خان

مصنفین کا تعارف

ان کتب میں سوشلزم کے فلسفے، اصولوں اور اس کے اثرات پر مختلف زاویوں سے گفتگو کی گئی ہے، اور ان کتب میں سے بیشتر میں سوشلزم کو اسلامی اصولوں کے لحاظ سے غیر مناسب قرار دیا گیا ہے اور اس کے معاشی و سماجی نظام کی تشریح اسلامی تعلیمات کے تناظر میں کی گئی ہے۔ اس تجزیے کا آغاز ان کتابوں کے مصنفین کے تعارف سے کیا جائے گا، تاکہ ان کی فکری وابستگی اور نظریات کی بنیاد کو سمجھا جاسکے۔

اس کے بعد، ہم ان کتب کا تفصیلی تجزیہ کریں گے، ہم سوشلزم کے بارے میں اردو ادب میں موجود مختلف آراء اور ان کے اثرات پر روشنی ڈالیں گے، تاکہ یہ سمجھا جاسکے کہ اردو مصنفین نے سوشلزم کو کس طرح دیکھا اور اس پر کس طرح تنقید کی۔

مفتی محمد تقی عثمانی

مفتی محمد تقی عثمانی عالم اسلام کے مشہور عالم اور جید فقیہ ہیں۔ ان کا شمار عالم اسلام کی مشہور علمی شخصیات میں ہوتا ہے۔ 1980ء سے 1982ء تک وفاقی شرعی عدالت اور 1982ء سے 2002ء تک عدالت عظمی پاکستان کے شریعت ایپلیٹ بینچ کے جج رہے ہیں۔ بین الاقوامی اسلامی فقہ اکادمی، جدہ کے نائب صدر اور دارالعلوم کراچی کے صدر ہیں۔ مفتی صاحب نے شریعت کے حدود میں رہ کر بینکاری کا ایسا نظام وضع کیا ہے جو عصر حاضر کے تمام معاشی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ مفتی صاحب کے اس نظام کو بین الاقوامی اسلامی فقہ اکادمی، جدہ کی منظوری کے بعد ساری دنیا میں نہایت تیزی سے اپنایا جارہا ہے۔ اس وقت مفتی تقی عثمانی صاحب کے اصولوں پر درجنوں اسلامی بینک کام کررہے ہیں۔ مفتی صاحب اسلامی مالیاتی اداروں کے اکاونٹنگ اور آڈیٹنگ آرگنائزیشن کے چیرمین بھی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ آٹھ اسلامی بینکوں میں بحیثیت شرعی مشیر کام کررہے ہیں۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ مشہور عالم دین اور مفسر قرآن اور جماعت اسلامی کے بانی تھے۔ بیسوی صدی کے موثر ترین اسلامی مفکرین میں سے ایک تھے۔ ان کی فکر، سوچ اور ان کی تصانیف نے پوری دنیا کی اسلامی تحریکات کے ارتقا میں گہرا اثر ڈالا اور بیسویں صدی کے مجدد اسلام ثابت ہوئے۔ مولانا مودودیؒ کا فکری بنیادی نقطہ یہ تھا کہ اسلام نہ صرف فرد کی روحانیت اور اخلاقی بہتری کی بات کرتا ہے بلکہ اس کا ایک واضح سیاسی و معاشی نظام بھی ہے جو معاشرتی انصاف، عدل اور مساوات پر مبنی ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اسلام اور مغربی تہذیب کے مابین تفریق کی اور اسلام کو ایک متبادل نظامِ حیات کے طور پر پیش کیا۔ ان کا یہ موقف تھا کہ مغربی معاشرتی اور سیاسی نظریات، جیسے کہ سوشلزم، کمیونزم اور سرمایہ داری، اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ نہیں ہیں، کیونکہ ان میں فرد کی آزادی اور معاشی انصاف کے اصولوں کی تکمیل نہیں ہوتی۔ انہوں نے سوشلزم کو خاص طور پر تنقید کا نشانہ بنایا اور اس کو ایک غیر اسلامی نظریہ قرار دیا، کیونکہ سوشلزم کا نظام اسلام کے معاشی اصولوں سے متصادم تھا۔ سید مودودیؒ کو ان کی دینی خدمات کی پیش نظر پہلے شاہ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا۔

مولانا وحید الدین خانؒ

مولانا وحید الدین خاںؒ، ایک ہندوستانی اسلامی اسکالر، مدرستہ الاصلاح اعظم گڑھ کے فارغ التحصیل عالم دین، مصنف، مقرر اور مفکر تھے۔ مولانا وحید الدین خاں، عام طور پر دانشور طبقہ میں امن پسند مانے جاتے ہیں۔ ان کا مقصد مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں میں ہم آہنگی پیدا کرنا، اسلام کے متعلق غیر مسلموں میں جو غلط فہمیاں ہیں انھیں دور کرنا، مسلمانوں میں مدعو قوم (غیر مسلموں) کی ایذاو تکلیف پر یک طرفہ طور پر صبر اور اعراض کی تعلیم کو عام کرنا تھا جو ان کی رائے میں دعوت دین کے لیے ضروری ہیں۔ ان سب کے باوجود مولانا کی کچھ تحریریں اور و نظریات ایسے ہیں جن کی وجہ سے اہل علم ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔

کتب کا تعارف

سوشلزم پہ لکھی گئی منتخب اردو کتب کا تعارف ملاحظہ فرمائیں:

اسلام اور جدید معیشت و تجارت

"اسلام اور جدید معیشت و تجارت" مفتی تقی عثمانی کے ان دروس کی کتابی صورت ہے جو انہوں نے تقریباً پچیس سال قبل "مرکز الاقتصاد الاسلامی، کراچی" کے زیر انتظام پندرہ روزہ کورس میں ملک بھر کے ممتاز دینی اداروں کے اساتذہ کرام، مفتی حضرات اور اہل علم کے سامنے پیش کیے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب کے ان دروس کو مفتی محمد مجاہد صاحب (استاذ حدیث جامعہ امدادیہ، فیصل آباد) نے ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے تیار کیا ہے جس پر مولانا تقی عثمانی صاحب نے نظر ثانی کرنے کے علاوہ مناسب ترمیم واضافہ بھی کیا ہے۔

اس کتاب میں انہوں نے جدید معاشی نظریات جیسے سوشلزم اور کیپٹل ازم کا تجزیہ کیا ہے اور ان کا موازنہ اسلامی معاشی نظام سے کیا ہے۔ اس کتاب میں مفتی تقی عثمانی صاحب نے اسلامی معاشی نظریات کی وضاحت کی اور یہ بتایا کہ یہ نظریات کس طرح ان جدید نظریات سے مختلف ہیں۔ مفتی صاحب نے اس کتاب میں سوشلزم اور کیپٹل ازم کے نقصانات کو اجاگر کیا اور اسلامی معاشی نظام کی اہمیت پر زور دیا۔ ان کے مطابق اسلام ایک مکمل اور متوازن معاشی نظام پیش کرتا ہے جو فرد کی فلاح اور معاشرتی عدل کو یقینی بناتا ہے۔ کتاب کے اخیر میں معاشی مصطلحات اردو، انگریزی اور عربی زبان میں ذکر کی گئی ہیں۔ کتاب کے 216 صفحات ہیں اور مکتبہ معارف القرآن کراچی سے 2014ء میں شائع ہوئی ہے۔

ہمارا معاشی نظام

"ہمارا معاشی نظام" بھی مفتی تقی عثمانی صاحب ہی کی تحریر ہے۔ کتاب ہذا معاشی نظام سے متعلق مفتی تقی عثمانی کے ماہنامہ البلاغ کراچی میں شائع ہونے والے مقالات و مضامین کا مجموعہ ہے، جنہیں ان کی افادیت کے پیش نظر کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ کتاب میں اسلامی نظام کی معاشی اصلاحات ذکر کرتے ہوئے علمائے کرام کا بیان کردہ متفقہ معاشی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ معاشی مسائل اور ان کے اسلامی حل کی تجاویز، تسعیر کی فقہی حیثیت، سوشلزم کا ناقدانہ جائزہ، زرعی اصلاحات کے لیے تجاویز، سود اور بینکنگ سے متعلق مختلف مباحث کتاب ہذا کے مشتملات میں شامل ہیں۔ کتاب اپنے موضوع کا احاطہ کرنے والی ہے اور امور معاشیہ سے متعلق اہم کتب میں سے ہے۔ اس کتاب کے 174 صفحات ہیں اور 2002ء میں مکتبہ دار العلوم کراچی سے شائع ہوئی ہے۔

اسلام اور جدید معاشی نظریات

"اسلام اور جدید معاشی نظریات" سید ابو الاعلیٰ مودودی کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب مولانا کی کتاب "سود" کا ایک اہم حصہ ہے جسے بعد میں مولانا نے خود الگ کتابی شکل میں شائع کر دیا تھا۔ اس کتاب میں وہ مواد شامل ہے جو براہِ راست سود کے موضوع سے متعلق نہیں ہے، بلکہ اس میں عالمی معاشی و سماجی مسائل کو بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں انہوں ہے عمرانی مسائل کا تاریخی پس منظر بیان کرنے کے بعد جدید معاشی نظریات بشمول نظام سرمایہ داری، سوشلزم اور کمیونزم کی حقیت، اسلامی نظم معیشت کے بنیادی ارکان اور جدید معاشی پیچیدگیوں کا اسلامی حل بڑے احسن انداز میں پیش کیا ہے۔ کتاب میں سوشلزم اور کمیونزم جیسے معاشی نظریات کی تباہ کاریوں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے، اور ان کے انسانیت پر مرتب ہونے والے منفی اثرات اور نقصانات کا تفصیل سے تجزیہ کیا گیا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے ان نظریات کو اسلامی معاشی نظام کے تناظر میں پیش کرتے ہوئے ان کی خامیوں کو واضح کیا ہے۔ اس کتاب کے 64 صفحات ہیں اور اسلامک پبلی کیشنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ، منصورہ ملتان روڈ، لاہور سے شائع ہوئی ہے۔

"معاشیات اسلام" عالمِ اسلام کے عظیم مفکر سید مودودیؒ کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب فلسفۂ معیشت کی ایک راہ کشا کتاب ہے۔ اس میں ان اولین امور سے بحث کی گئی ہے جنہیں ماہرین معاشیات بالعموم چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ کتاب دراصل مولانا مودودی کی ان تحریروں کا مجموعہ ہے جو ان کے جاری کردہ رسالہ "ترجمان القرآن" کی اشاعت کے آغاز سے مختلف مواقع پر اسلام کے معاشی اصول واحکام کی توضیح او رزندگی کے موجود مسائل پر ان کے انطباق کے بارے میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہیں۔ توپروفیسر خورشد صاحب نے مولانا کی زندگی میں ہی اسے مرتب کیا۔ مرتب نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ حصہ اول میں فلسفۂ معیشت سے بحث کی گئی ہے اور دنیا کے مروجہ معاشی نظاموں (کیپٹلازم اور سوشلزم) پر تنقیدی نظر ڈالنے کے ساتھ معیشت کے میدان میں اسلام کے مخصوص نقطۂ نظر کی پوری وضاحت کی گئی ہے۔ نیز ان اصولوں کو بھی ضروری تشریح کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جو قرآن وسنت میں مرقوم ہیں۔ کتاب کے دوسرے حصے میں مرتب نے مولانا مودودی کی ان تحریروں کو پیش کیا ہے جن کا تعلق ایک حیثیت سے اسلام کے فلسفۂ معیشت کے انطباق سے ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 1969ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب 423 صفحات پر مشتمل ہے اور اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان سے شائع ہوئی۔

سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ

"سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ" مولانا وحید الدین خانؒ کی ایک اہم تصنیف ہے جس میں انہوں نے سوشلزم کے فلسفے اور اس کی اسلامی معیشت کے اصولوں سے ہم آہنگی کے حوالے سے تفصیل سے تجزیہ کیا ہے۔ اس کتاب میں مولانا نے سوشلزم کی بنیادوں، اصولوں اور اس کے عملی اثرات کا تجزیہ کیا ہے اور یہ وضاحت کی ہے کہ سوشلزم کا معاشی نظام انسانوں کے فلاحی مقصد کے بجائے فرد کی آزادی اور دولت کے تصرف کو ترجیح دیتا ہے۔

مولانا وحید الدین خانؒ نے اس کتاب میں سوشلزم کو ایک غیر اسلامی نظریہ قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں فرد کی ذاتی ملکیت، معیشت میں اخلاقی اصولوں کی اہمیت، اور سودی نظام جیسے اہم اسلامی مفاہیم کی عدم موجودگی ہے۔ انہوں نے یہ وضاحت کی کہ اسلام ایک ایسا معاشی نظام پیش کرتا ہے جو نہ صرف فرد بلکہ معاشرتی سطح پر بھی فلاح وبہبود، عدل وانصاف، اور اخلاقی ذمہ داریوں کو فروغ دیتا ہے۔ کتاب میں سوشلزم کے نقصانات اور اس کے مغربی تناظر میں انسانیت پر مرتب ہونے والے منفی اثرات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔۔ کتاب ہذا 74 صفحات پر مشتمل ہے اور یہ 1972 میں مکتبہ الرسالہ، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی، انڈیا سے اردو زبان میں شائع ہوئی۔

سوشلزم اور اسلام (تاریخ، تجزیہ، تقابل)

مولانا وحید الدین خانؒ کی کتاب "سوشلزم اور اسلام (تاریخ، تجزیہ، تقابل)" ایک علمی تجزیہ ہے جس میں انہوں نے سوشلزم کے فلسفے اور اسلام کے معاشی نظام کا موازنہ کیا ہے۔ یہ کتاب سوشلزم کی تاریخ، اس کے بنیادی تصورات، اور اس کی عملی حقیقتوں کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے، ساتھ ہی اسلام کے معاشی اصولوں کا مفصل جائزہ بھی پیش کرتی ہے۔ مولانا وحید الدین خانؒ نے اس کتاب میں سوشلزم کے نظریات کو مغربی فلسفے کے ایک حصے کے طور پر بیان کیا ہے، جس کا مقصد دولت کی مساوی تقسیم اور سماجی انصاف کو قائم کرنا ہے، لیکن اس میں کئی اہم انسانی اور اخلاقی اصولوں کی کمی ہے۔

مولانا نے سوشلزم کے عملی اثرات پر بھی گہری تنقید کی ہے، خاص طور پر اس کے نتیجے میں ہونے والی معاشی بدحالی، افراد کے حقوق کی پامالی، اور اخلاقی اقدار کے زوال پر بات کی ہے۔ اس کتاب میں سوشلزم اور اسلام کے مابین موجود فرق کو واضح کرتے ہوئے مولانا نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام ایک ایسا جامع اور مکمل معاشی نظام فراہم کرتا ہے جو نہ صرف فرد کی فلاح کا ضامن ہے بلکہ

معاشرتی سطح پر بھی عدل، انصاف، اور ترقی کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ یہ کتاب مکتبہ الرسالہ، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی، انڈیا سے 1995 میں اردو زبان میں شائع ہوئی اور اس کے 208 صفحات ہیں۔

سوشلزم (اشتراکیت) Socialism

دنیا میں اس وقت جو مختلف معاشی نظام رائج ہیں ان میں دو نظام سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ ایک سرمایہ دارانہ نظام (کیپیٹلزم) Capitalism جس کو عربی میں الراسمالیۃ کہتے ہیں اور دوسرا اشتراکی نظام (سوشلزم) Socialism جس کو عربی میں الاشتراکیۃ کہتے ہیں اس کی انتہائی صورت اجتماعیت (کمیونزم) Communism ہے جسے عربی میں الشیوعیۃ کہا جاتا ہے۔ دنیا میں جو کچھ کاروبار یہ معاملات ہو رہے ہیں وہ انہی دو نظاموں کے ماتحت ہو رہے ہیں۔ سوویت یونین کے زوال کے بعد اگرچہ سوشلزم ایک سیاسی طاقت کی حیثیت سے تو ختم ہو چکا اور اس کے ساتھ ہی اس نظریہ کی طاقت بھی کمزور پڑ گئی لیکن ایک معاشی نظریہ کے اعتبار سے وہ دنیا کے معاشی نظریات میں اب بھی خاصی اہمیت کا حامل ہے اس لیے اس کو سمجھنا بھی ضروری ہے لہذا سب سے پہلے سوشلزم کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

بنیادی معاشی مسائل

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ معیشت کیا ہوتی ہے؟ اور اس کے بنیادی مسائل کیا ہوتے ہیں؟ آج جس کو ہم اردو میں معاشیات کہتے ہیں وہ در حقیقت انگریزی کے لفظ اکنامکس کا ترجمہ ہے اور دراصل اکنامکس کا صحیح ترجمہ معاشیات نہیں بلکہ اس کا صحیح ترجمہ وہ ہے جو عربی میں لفظ اقتصاد سے کیا جاتا ہے اور اسی لفظ سے یہ بات نکل رہی ہے کہ یہ مفروضہ تمام معاشی افکار میں تسلیم کیا گیا ہے کہ انسانی ضروریات اور خواہشات انسانی وسائل کے مقابلے میں زیادہ ہیں اور ضروریات کا لفظ جب موجودہ معیشت میں استعمال ہوتا ہے تو اس میں خواہشات بھی داخل ہوتی ہیں۔ غرض انسانی وسائل محدود ہیں اور ان کے مقابلے میں ضروریات اور خواہشات بہت زیادہ ہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان لامحدود ضروریات اور خواہشات کو محدود وسائل کے ذریعے کس طرح پورا کیا جائے؟

اقتصاد اور اکنامکس کا یہی معنی ہے کہ ان وسائل کو اس طریقے سے استعمال کیا جائے کہ ان کے ذریعے زیادہ سے زیادہ ضرورتیں پوری ہو سکیں اس وجہ سے اس علم کو اکنامکس اور اقتصاد کہتے ہیں اس نقطہ نظر سے ہر معیشت میں کچھ بنیادی مسائل ہوتے ہیں جن کو حل کیے بغیر وہ معیشت نہیں چل سکتی۔ مفتی تقی عثمانی اور سید مودودیؒ ان دونوں حضرات نے ان بنیادی مسائل کا ذکر اپنی مندرجہ بالا کتب میں کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ کتب معیشت ہمیں بتاتی ہیں کہ بنیادی طور پہ معاشی مسائل چار ہیں۔ جن کا ذکر آگے کیا جارہا ہے۔

1. **ترجیحات کا تعین: Determination of Priorities**

پہلا مسئلہ جس کو معیشت کی اصطلاح میں "ترجیحات کا تعین" کہا جاتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی ضروریات اور خواہشات بے شمار ہیں اور ان کے مقابلے میں وسائل محدود ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان محدود وسائل کے ذریعہ تمام ضروریات اور خواہشات پوری نہیں ہو سکتی ہیں۔ لہذا کچھ ضروریات اور خواہشات کو مقدم کرنا پڑے گا اور کچھ کو موخر کرنا پڑے گا لیکن کون سی ضرورت کو مقدم کیا جائے اور کون سی ضرورت کو موخر کیا جائے؟ مثلاً میرے پاس 5000 روپے ہیں۔ میں ان 5000 روپے سے آٹا بھی خرید سکتا ہوں، کپڑا بھی خرید سکتا ہوں، کسی ہوٹل میں بیٹھ کر ریفریشمنٹ کھانے پر بھی خرچ کر سکتا ہوں۔ یہ چند اختیارات میرے سامنے ہیں اب میں یہ 5000 روپے ان میں سے کس کام پر خرچ کروں اس کو ترجیحات کا تعین کہا جاتا ہے۔

یہ مسئلہ جس طرح ایک انسان کو پیش آتا ہے اسی طرح پورے ملک اور پوری ریاست کو بھی پیش آتا ہے۔ مثلاً پاکستان کے کچھ قدرتی وسائل ہیں کچھ انسانی وسائل ہیں کچھ معدنی وسائل ہیں کچھ نقد وسائل ہیں یہ سارے وسائل محدود ہیں اور اس کے مقابلے میں

ضروریات اور خواہشات لامتناہی ہیں۔ اب یہ متعین کرنا پڑے گا کہ ان وسائل کو کس کام میں صرف کیا جائے اور کس کس چیز کی پیداوار کو ترجیح دی جائے اس مسئلہ کا نام ترجیحات کا تعین ہے۔

2. **وسائل کی تخصیص:Allocation of Resources**

ہمارے پاس وسائل پیداوار ہیں یعنی سرمایہ محنت زمین ان کو ہم کن کاموں میں کس مقدار میں لگائیں۔ مثلا ہماری زمینیں ہیں اب کتنی زمین پر ہم گندم کی کاشت کریں کتنی زمین پر چاول کی کاشت کریں اور کتنی زمین پر روٹی کی کاشت کریں یا اسی طرح ہمارے پاس کارخانے لگانے کی صلاحیت ہے جس سے ہم کپڑا بھی بناسکتے ہیں جوتے بھی بناسکتے ہیں اور کھانے پینے کی اشیاء بھی بناسکتے ہیں اب کتنے کارخانوں کو کپڑا بنانے میں استعمال کریں اور کتنا کارخانوں کو جوتے بنانے میں لگائیں اور کتنے کارخانوں کو کھانے پینے کی اشیاء میں استعمال کریں اس سوال کے تعین کو معیشت کی اصطلاح میں وسائل کی تخصیص کہا جاتا ہے۔

3. **آمدنی کی تقسیم:Distribution of Income**

تیسرا مسئلہ ہے آمدنی یا پیداوار کی تقسیم یعنی مندرجہ بالا وسائل کو کام میں لگانے کے بعد اس کے نتیجے میں جو پیداوار یا جو آمدنی حاصل ہوئی اس کو کس طرح معاشرے میں تقسیم کیا جائے اور کس بنیاد پر تقسیم کیا جائے اس کو معاشیات کی اصطلاح میں آمدنی کی تقسیم کہا جاتا ہے۔

4. **ترقی:Development**

چوتھا مسئلہ ہے ترقی یعنی اپنی معاشی حاصلات کو کس طرح ترقی دی جائے تاکہ جو پیداوار حاصل ہو رہی ہے وہ معیار کے لحاظ سے پہلے سے زیادہ اچھی ہو اور مقدار کے اعتبار سے اس میں اضافہ ہو اور کس طرح نئی نئی ایجادات اور مصنوعات وجود میں لائی جائیں تاکہ معاشرہ ترقی کرے اور لوگوں کے پاس اسباب معیشت میں اضافہ ہو اور لوگوں کو آمدنی کے ذرائع مہیا ہوں۔ اس مسئلہ کو معاشیات کی اصطلاح میں ترقی کہا جاتا ہے۔ یہ چار بنیادی مسائل ہیں جنہیں حل کرنا ہر معاشی نظام کے لیے ضروری ہے: یعنی ترجیحات کا تعین، وسائل کی تخصیص، آمدنی کی تقسیم اور ترقی۔ پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مسائل اگرچہ فطری مسائل ہیں لیکن ایک نظام کے تحت ان کو سوچنے ان کا حل تلاش کرنے کی فکر آخر صدیوں میں زیادہ پیدا ہوئی اور اس کے نتیجے میں دو متقابل نظریات ہمارے سامنے آئے۔ ایک سرمایہ دارانہ نظام کیپیٹلزم اور دوسرا اشتراکی نظام سوشلزم۔

اشتراکیت

مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"اشتراکیت درحقیقت سرمایہ دارانہ نظام کے ردعمل کے طور پر وجود میں آئی۔ سرمایہ دارانہ فلسفے کا پورا زور چونکہ اس بات پر تھا کہ زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لیے ہر شخص آزاد ہے اور معیشت کا ہر مسئلہ بنیادی طور پر صرف رسد و طلب کی بنیاد پر طے ہوتا ہے۔ اس لیے اس فلسفہ میں فلاح عامہ اور غریبوں کی بہبود وغیرہ کا کوئی واضح اہتمام نہیں تھا اور زیادہ منافع کمانے کی دوڑ میں کمزور افراد کے پسنے کے واقعات بکثرت پیش آئے جس کے نتیجے میں غریب اور امیر کے درمیان فاصلے بہت زیادہ بڑھ گئے۔"[1]

اس لیے اشتراکیت ان خرابیوں کے سدباب کا دعوی لے کر میدان میں آئی اور اس نے سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی فلسفے کو چیلنج کرتے ہوئے یہ ماننے سے انکار کیا کہ معیشت کے مذکورہ بالا چار بنیادی مسائل محض ذاتی منافع کے محرک، شخصی ملکیت اور بازاروں کی قوتوں کی بنیاد پر حل کیے جاسکتے ہیں۔ اشتراکیت نے کہا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں معیشت کے تمام بنیادی مسائل کو رسد و طلب کی اندھی بہری

طاقتوں کے حوالے کر دیا گیا ہے جو خالصتاً ذاتی منافق محرک کے طور پر کام کرتی ہے اور ان کو فلاح عامہ کے مسائل کا ادراک نہیں ہوتا۔ خاص طور سے آمدنی کی تقسیم میں یہ قوتیں غیر منصفانہ نتائج پیدا کرتی ہیں جس کی ایک سادہ سی مثال یہ ہے کہ اگر مزدوروں کی رسد زیادہ ہو ان کی اجرت کم ہو جاتی ہے اور بسا اوقات مزدور اس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ وہ انتہائی کم اجرت پر کام کریں اور جو پیداوار ان کے گاڑھے پسینے کی محنت سے تیار ہو رہی ہے اس میں سے انہیں اتنا بھی حصہ نہیں مل سکے جس کے ذریعے وہ اپنے اور اپنے بچوں کے لیے صحت مند زندگی کا انتظام کر سکیں۔ چونکہ ان کی محنت کی طلب رکھنے والے سرمایہ دار کو اس سے غرض نہیں کہ جس اجرت پر وہ ان سے محنت لے رہا ہے وہ واقعتاً ان کی محنت کا مناسب صلہ اور ان کی ضروریات کا واقعتاً کفیل ہے یا نہیں؟ اس سے تو صرف اس بات سے غرض ہے کہ رسد کی زیادتی کی وجہ سے وہ اپنی طلب کی تسکین نہایت کم اجرت پر کر سکتا ہے جس سے اس کے منافع میں اضافہ ہو۔ لہذا اشتراکیت کے نظریہ کے مطابق آمدنی کی تقسیم کے لیے رسد و طلب کا فارمولا ایک ایسا بے حس فارمولا ہے جس میں غریبوں کی ضروریات کی رعایت نہیں بلکہ وہ سرمایہ دار کے ذاتی منافع کے محرک کا تابع ہے اور اسی مدار پر گردش کرتا ہے۔

اسی طرح ترجیحات کے تعین، وسائل کی تخصیص اور ترقی جیسے اہم معاشی مسائل بھی اشتراکیت کے نزدیک رسد و طلب کی اندھی بہری قوتوں کے حوالے کرنا معاشرے کے لیے نہایت خطرناک ہے۔ ایک نظریاتی فلسفے کے طور پر تو یہ بات درست ہو سکتی ہے کہ ذاتی منافع کے محرک کے تحت ایک زراعت پیشہ شخص یا ایک سنعت کار اس وقت تک اپنی پیداوار جاری رکھے گا جب تک کہ اس کی رسد طلب کے برابر نہ ہو جائے اور جب رسد طلب سے بڑھنے لگے گی تو وہ پیداوار بند کر دے گا لیکن عملی دنیا میں دیکھا جائے تو کسی تاجر یا زراعت پیشہ کے پاس ایسا کوئی نپا تلا پیمانہ نہیں ہوتا جس کی مدد سے وہ بر وقت یہ جان سکے کہ اب فلاں پیداوار کی رسد، طلب کے برابر ہو گئی ہے۔ لہذا وہ بسا اوقات یہ سوچ کر پیداوار میں اضافہ کرتا جاتا ہے کہ ابھی اس چیز کی رسد ضرورت اور طلب کے مقابلے میں کم ہے حالانکہ بازار میں حقیقی رسد زیادہ ہو چکی ہوتی ہے اور اسے اس حقیقت کا پتہ کافی دیر میں چلتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بازار میں بسا اوقات ایسی چیزوں کی فراوانی ہو جاتی ہے جن کی طلب اتنی زیادہ نہیں ہے اور اس طرح معیشت کساد بازاری کا شکار ہو جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں بہت سے کارخانے بند ہو جاتے ہیں، تاجر دیوالیہ ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کی معاشی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لہذا محض رسد اور طلب کی بنیاد پر ترجیحات کا تعین اتنے توازن کے ساتھ نہیں ہو سکتا جس کی معاشرے کو واقعی ضرورت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ پھر مذکورہ بالا چاروں مسائل کو حل کرنے کا طریقہ کیا ہونا چاہیے اس کے جواب میں اشتراکیت نے یہ فلسفہ پیش کیا کہ بنیادی خرابی یہاں سے پیدا ہوئی کہ وسائل پیداوار یعنی زمینوں اور کارخانوں کو لوگوں کی انفرادی ملکیت قرار دے دیا گیا۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ تمام وسائل پیداوار افراد کی شخصی ملکیت میں ہونے کی بجائے ریاست کی اجتماعی ملکیت میں ہوں اور جب یہ سارے وسائل ریاست کی ملکیت میں ہوں گے تو حکومت کو یہ پتہ ہوگا کہ اس کے پاس کل کتنے وسائل ہیں؟ اور معاشرے کی ضروریات کیا کیا ہیں؟ اس بنیاد پر حکومت ایک منصوبہ بندی کرے گی جس میں یہ طے کیا جائے گا کہ معاشرے کی کن ضروریات کو مقدم رکھا جائے؟ کون سی چیز کس مقدار میں پیدا کی جائے؟ اور مختلف وسائل کو کس ترتیب کے ساتھ کن کن کاموں میں لگایا جائے؟ گویا ترجیحات کا تعین، وسائل کی تخصیص اور ترقی کے تینوں کام حکومت کے منصوبہ بندی کے تحت انجام پائیں۔

اب رہا آمدنی کی تقسیم کا سوال سو اشتراکیت نے یہ دعویٰ کیا کہ حقیقت عامل پیداوار صرف دو چیزیں ہیں زمین اور محنت زمین چونکہ انفرادی ملکیت نہیں بلکہ اجتماعی ملکیت ہے لہذا اس پر لگا بندھا کرایہ یا لگان دینے کی ضرورت نہیں اب صرف محنت رہ جاتی ہے۔ اس کی اجرت کا تعین بھی حکومت اپنی منصوبہ بندی کے تحت یہ بات مد نظر رکھتے ہوئے کرے گی کہ مزدوروں کو ان کی محنت کا مناسب صلہ ملے۔

جس طرح سرمایہ دارانہ نظام نے مذکورہ چاروں بنیادی مسائل کو صرف ذاتی منافع کے محرک اور بازار کی قوتوں کی بنیاد پر حل کرنا چاہا تھا اسی طرح اشتراکیت نے ان چاروں مسائل کے حل کے لیے ایک ہی بنیادی حل تجویز کیا یعنی منصوبہ بندی۔ اسی لیے اشتراکی معیشت کو منصوبہ بند معیشت Planned Economy کہا جاتا ہے جس کا عربی ترجمہ "اقتصاد موجہۃ" یا "اقتصاد مخطط" کہا گیا ہے۔

اشتراکیت کے بنیادی اصول

اشتراکیت کے مذکورہ بالا فلسفے کے نتیجے میں اشتراکی معیشت میں مندرجہ ذیل بنیادی اصول کارفرما ہوتے ہیں:

1. اجتماعی ملکیت
2. منصوبہ بندی
3. اجتماعی مفاد
4. آمدنی کی منصفانہ تقسیم

فرداً فرداً ان کی تفصیل دیکھتے ہیں

1. اجتماعی ملکیت:

اس اصول کا مطلب یہ ہے کہ وسائل پیداوار یعنی زمینیں اور کارخانے وغیرہ کسی شخص کی ذاتی ملکیت میں نہیں ہوں گے بلکہ وہ قومی ملکیت میں ہوں گے اور حکومت کے زیر انتظام چلائے جائیں گے۔ ذاتی استعمال کی اشیاء ذاتی ملکیت میں ہو سکتی ہیں لیکن وسائل پیداوار پر کوئی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ٹھیٹ اشتراکی ممالک میں نہ صرف زمینیں اور کارخانے بلکہ تجارتی دکانیں بھی کسی فرد واحد کی ملکیت میں نہیں ہوتی۔ ان میں کام کرنے والے افراد سب حکومت کے ملازم ہوتے ہیں اور حاصل ہونے والی آمدنی تمام تر سرکاری خزانے میں جاتی ہے اور کام کرنے والے ملازمین کو تنخواہ یا اجرت حکومت کی منصوبہ بندی کے تحت دی جاتی ہے۔ اجتماعی ملکیت کا جھانسا دے کر سادہ لوح عوام کو یہ کہا گیا کہ اشتراکیت میں عوام کے بھی مساوی حقوق ہوں گے اس بات کا بیان کرتے ہوئے مفتی تقی عثمانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"فرض کیجئے کہ اگر ملک کی زمینوں اور کارخانوں کو قومی ملکیت میں لے لیا جاتا ہے تو اس کا سیدھا اور صاف مطلب یہ ہے کہ ساری زمینیں اور کارخانے افراد کی نجی ملکیت سے نکل کر حکومت کے قبضے میں چلے جائیں گے اور حکومت ہی ان تمام وسائل پیداوار کی مالک ہو گی سوال یہ ہے کہ اس اقدام سے مزدور اور کسان کے حق میں اقاؤں کی تبدیلی کے سوا کیا فرق پڑا پہلے کارخانوں کا مالک سرمایہ دار تھا اور وہ مزدور سے کام لے کر اسے اجرت دیتا تھا اب کارخانوں کی مالک حکومت ہو جائے گی اور وہ بھی اس سے کام لے کر اجرت دے گی کارخانے کی پالیسی میں نہ پہلے اس کا دخل تھا نہ وہ ہو گا کارخانے کے منافع میں نہ پہلے اس مالکانہ حقوق حاصل ہے نہ اب ہوں گے تنخواہوں کا تعین نہ پہلے اس کے آزاد مرضی پر ہوتا تھا نہ اب ہو سکے گا پھر اخر میں مساوات اور خوشحالی کی وہ کون سی جنت ہے جو اس سے پہلے اقا کی غلامی میں حاصل نہیں تھی اور اسے نئے اقا کی غلامی کر کے حاصل ہو جائے گی کہا جاتا ہے کہ سوشلزم میں چونکہ حکومت بھی مزدوروں کی حکومت ہو گی اس لیے کارخانوں کو اپنے قبضے میں لانے کے بعد وہ یقیناً مزدوروں کے ساتھ انصاف کرے گی اور موجودہ سرمایہ داروں کی طرح ان کو جائز حقوق سے محروم نہیں کرے گی۔[2]

اشتراکیت نے شخصی ملکیت کا تصور ختم کر کے کر اجتماعی ملکیت کا اعلان کیا تھا اسی حوالے سے سید مودودیؒ اپنی کتاب معاشیات اسلام میں لکھتے ہیں کہ:

"پیدائش دولت کے وسائل افراد کی ملکیت سے نکال کر جماعتی ملکیت بنا دیے جائیں اور ضروریات زندگی کو افراد پر تقسیم کرنے کا انتظام بھی جماعت ہی کے سپرد ہو بظاہر یہ حل نہایت معقول نظر آتا ہے لیکن اس کے عملی پہلوؤں پر اپ جس قدر غور کریں گے اس قدر اپ پر اس کے نقائص کھلتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ اپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اخر کار اس کے نتائج بھی اتنے ہی خراب ہیں جتنے اس بیماری کے نتائج ہیں جس کا علاج کرنے کے لیے اسے اختیار کیا گیا تھا۔[3]

2. **منصوبہ بندی**

اشتراکی نظام کا دوسرا بنیادی اصول منصوبہ بندی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام بنیادی معاشی فیصلے حکومت منصوبہ بندی کے تحت انجام دیتی ہے۔ اس منصوبہ بندی میں تمام معاشی ضروریات اور تمام معاشی وسائل کے اعداد و شمار جمع کیے جاتے ہیں اور یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ کون سے وسائل کس چیز کی پیداوار میں لگائے جائیں؟ اور کون سی چیز کس مقدار میں پیدا کی جائے؟ اور نیز کس شعبے میں محنت کرنے والوں کو کیا اجرت مقرر کی جائے؟

حکومت کی طرف معیشت کی منصوبہ بندی کا تصور اصلا تو اشتراکیت نے پیش کیا تھا لیکن رفتہ رفتہ سرمایہ دار ملکوں نے بھی جزوی طور پر منصوبہ بندی اختیار کرنی شروع کر دی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ سرمایہ دار ممالک رفتہ رفتہ اپنے اس اصول پر مکمل طور پر قائم نہ رہ سکے کہ حکومت معیشت کے کاروبار میں بالکل مداخلت نہ کریں۔ بلکہ مختلف اجتماعی مقاصد کے تحت سرمایہ دار حکومتوں کو بھی تجارت و معیشت میں کچھ نہ کچھ مداخلت کرنی پڑی۔ یہاں تک کہ مخلوط معیشت Mixed Economy کے نام سے ایک نئی اصطلاح وجود میں آئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ بنیادی طور پر معیشت کو بازار کی قوتوں کے تحت ہی چلایا جائے لیکن ضرورت کے تحت تجارت اور صنعت کے بعض شعبے خود سرکاری تحویل میں بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسے بعض سرمایہ دار ملکوں میں ریلوے، بجلی، ٹیلی فون اور فضائی سروس وغیرہ سرکاری تحویل میں ہوتی ہیں اور جو تجارتیں نجی طور پر چلائی جارہی ہیں حکومت ان کو بھی کچھ قواعد وضوابط کا پابند بنا دیتی ہے۔

پہلی قسم کی تجارتوں کو سرکاری شعبہ یا پبلک سیکٹر Public Sector اور دوسری قسم کی کو نجی شعبہ یا پرائیویٹ سیکٹر Private Sector کہا جاتا ہے اب اس مخلوط معیشت مکسڈ اکانومی Mixed Economy میں چوں کہ حکومت کی فی الجملہ مداخلت ختم ہوتی ہے۔ اس لیے جزوی طور پر اسے منصوبہ بندی کرنی پڑتی ہے اس جزوی منصوبہ بندی کے نتیجے میں حکومت کی طرف سے عموماً پنج سالہ منصوبے تیار کیے جاتے ہیں۔ لیکن یہ جزوی منصوبہ بندیاں ہیں جبکہ اشتراکیت کی منصوبہ بندی کلی منصوبہ بندی ہے۔ یعنی اس میں ہر معاشی فیصلہ اس سرکاری منصوبہ بندی کا تابع ہوتا ہے۔

3. **اجتماعی مفاد**

اشتراکیت کا تیسرا اصول اجتماعی مفاد ہے۔ یعنی اشتراکیت کا دعوی یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ معیشت میں ساری معاشی سرگرمیاں افراد کے ذاتی مفاد کے تابع ہو جاتی ہیں۔ لیکن اشتراکی نظام میں منصوبہ بندی کے تحت اجتماعی مفاد کو بنیادی طور پر مدنظر رکھا جاتا ہے۔

4. **آمدنی کی منصفانہ**

تقسیم اشتراکیت کا چوتھا اصول یہ ہے کہ پیداوار سے جو کچھ آمدنی حاصل ہو وہ افراد کے درمیان منصفانہ طور پر تقسیم ہو اور غریب پر امیر کے درمیان زیادہ فاصلے نہ ہو، آمدنیوں میں توازن ہو۔ شروع میں دعویٰ یہ کیا گیا تھا کہ اشتراکیت میں آمدنی کی مساوات ہوگی۔ یعنی سب کی آمدنی برابر ہوگی لیکن عملی طور پر ایسا نہیں ہوا لوگوں کے اجرتیں اور تنخواہیں کم زیادہ ہوتی رہیں۔ البتہ اشتراکیت میں کم سے کم یہ دعوی ضرور کیا گیا کہ اس نظام میں تنخواہوں اور اجرتوں کے درمیان زیادہ فرق نہیں ہے۔

اشتراکی نظام پہ ان مصنفین کا تبصرہ

کتاب ''اسلام اور جدید معیشت اور تجارت ''میں ''مفتی تقی عثمانی صاحب ''اشتراکی نظام Socialism پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اشتراکیت کی اتنی بات تو واقعتا درست تھی کہ سرمایہ دارانہ نظام میں ذاتی منافق محرک کو اتنی کھلی چھٹی دے دی گئی کہ اس کے نتیجے میں فلاح عامہ کا تصور یا تو بالکل باقی نہیں رہا یا بہت پیچھے چلا گیا لیکن اس کا جو حل اشتراکیت نے تجویز کیا اور بذات خود بہت انتہا پسندانا تھا۔ سرمایہ دارانہ نظام نے فرد کو اتنا آزاد اور بے لگام چھوڑ دیا تھا کہ وہ اپنے منافع کی خاطر جو چاہے کرتا پھرے اس کے مقابلے میں اشتراکیت نے فرد کو اتنا گھونٹ دیا کہ اس کی فطری آزادی بھی سلب ہو کر رہ گئی۔ سرمایہ دارانہ نظام نے بازار کی قوتوں یعنی رسد و طلب کو تمام مسائل کا حل قرار دیا ۔لیکن اشتراکیت نے ان قدرتی قوانین کو تسلیم کرنے ہی سے انکار کر دیا اور اس کی جگہ سرکار کی طرف سے کی ہوئی منصوبہ بندی کو ہر مرض کا علاج قرار دیا۔ حالانکہ انسان کی اپنی وضع کی ہوئی منصوبہ بندی ہر جگہ کام نہیں دیتی اور بہت سے مقامات پر اس کا نتیجہ ایک مصنوعی جکڑ بند کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا۔[4]

سوشلزم کے اصول اجتماعی ملکیت کے بارے میں بیان کرتے ہوئے مولانا مودودی اپنی کتاب اسلام اور جدید معاشی نظریات میں لکھتے ہیں کہ:

''سوشلسٹ کے نزدیک حقوق ملکیت ہی اصل خرابی کی جڑ ہے پہننے کے کپڑے استعمال کے برتن گھر کا فرنیچر اور اس طرح کے دوسری چیزیں انفرادی ملکیت میں رہیں تو مضائقہ نہیں مگر یہ زمین اور مشین اور الات اور دوسری ایسی چیزیں جن سے دولت کی پیداوار ہوتی ہے ان پر تو افراد کے مالکانہ حقوق ہرگز قائم نہ رہنا چاہیے اس لیے کہ جب ایک شخص ان میں سے کسی چیز کا مالک ہو گا تو دولت پیدا کرے گا دولت پیدا کرے گا تو جمع کرے گا جمع کرے گا تو پھر کچھ اور زمین یا مشین خرید کر پیدائش دولت کے ذرائع میں اضافہ کرے گا اضافہ کرے گا تو دوسرے ادمیوں سے تنخواہ یا مزدوری یا لگان کا معاملہ طے کر کر ان سے کام لے گا اور جب یہ کرے گا تو لا محالہ پھر وہ سب کچھ کرے گا جو سرمایہ دار کر رہا ہے لہذا سرے سے اس جڑ کو ہی کاٹ دو جس سے یہ بلا پیدا ہوتی ہے پروانے کی جان بچانی ہے تو مگس کو باغ میں جانے نہ دو۔[5]

اجتماعی ملکیت کا انکار کرتے ہوئے مولانا وحید الدین خان اپنی کتاب سوشلزم اور اسلام میں لکھتے ہیں کہ:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلم فرد یا مسلم ریاست کو جس طرح یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کو قتل کر ڈالے اسی طرح اس کو یہ حق بھی نہیں کہ کسی کا مال اس کی مرضی کے بغیر لے لے جس طرح ادمی کی جان محرم ہے ٹھیک اسی طرح اس کا مال بھی محرم ہے۔[6]

اس کے دلائل میں مولانا وحید الدین خان چند ایک احادیث بھی نقل کرتے ہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ۔[7]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی آدمی کے برے ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، ہر مسلمان پر (دوسرے) مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہیں۔"

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلاَةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الإِسْلاَمِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ»[8]

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں تا آں کہ لوگ اس بات کی گواہی دینے لگیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں۔ جو لوگ یہ کرلیں گے وہ مجھ سے اپنی جان اور اپنا مال محفوظ کرلیں گے سوائے اس حق کے جو اسلام کی وجہ سے واجب ہو گا، باقی رہا ان کا حساب تو وہ اللہ کے ذمہ ہے"۔

انسان کو اپنی زندگی میں بہت سے معاشرتی مسائل پیش آتے ہیں ان سب مسائل کو پلاننگ کی بنیاد پر حل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بہت سے مسائل میں سے انسان کو ایک معاشرتی مسئلہ یہ بھی درپیش ہے کہ ہر مرد کو شادی کے لیے مناسب بیوی درکار ہے اور عورت کو مناسب شوہر۔ یہ معاشرتی مسئلہ ابتدائے افرینش سے آج تک لوگوں کی ذاتی پسند یا ناپسند اور لوگوں کے ذاتی فیصلوں کی بنیاد پر طے ہوتا رہا ہے۔ ہر شخص اپنے لیے مناسب رفیق حیات تلاش کرتا ہے اور جس پر دونوں کا اتفاق ہو جائے شادی عمل میں آجاتی ہے اس نظام کے نتیجے میں بے شک بعض خرابیاں سامنے آتی ہیں مثلاً یہ کہ ذاتی فیصلہ بسا اوقات غلط بھی ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں ناچاقی اور نااتفاقی پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی عورت یا کوئی مرد اس لیے نکاح سے محروم رہ جاتا ہے کہ اس کی طرف کسی کو کوئی کشش نہیں ہوتی۔ لیکن ان خرابیوں کا یہ علاج آج تک کسی نے نہیں سوچا کہ شادیوں کے نظام کو ذاتی پسند اور ناپسند کی بجائے سرکار کے حوالے کر دینا چاہیے وہی منصوبہ بندی کرے کہ کتنے مرد اور کتنی عورتیں ہیں اور کون سا مرد کی صورت کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

اگر کوئی حکومت یا ریاست اس قسم کی کوئی منصوبہ بندی کرنی ہے کرنا چاہے تو ظاہر ہے کہ یہ ایک غیر فطری اور مصنوعی نظام ہو گا جس سے کبھی خوشگوار نتائج بر آمد نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح یہ مسئلہ کہ انسان کون سا پیشہ اختیار کرے پیدائش کے کس عمل میں کتنا حصہ لے یا کس انداز سے اپنی خدمات معاشرے کو پیش کرے، درحقیقت ایک معاشرتی مسئلہ ہے اس مسئلے کو اگر صرف خشک منصوبہ بندی کی بنیاد پر حل کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اس سے مندرجہ ذیل خرابیاں لازم آئیں گی۔

1. منصوبہ بندی کا کام ظاہر ہے اشتراکی نظام میں حکومت انجام دیتی ہے اور حکومت فرشتوں کے کسی گروہ کا نام نہیں، جس سے کوئی غلطی یا بددیانتی سرزد نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ حکومت کرنے والے بھی گوشت پوست کے انسان ہوتے ہیں وہ اپنی خواہشات اور ذاتی مفادات سے بھی مغلوب ہو سکتے ہیں اور ان کی سوچ میں بھی غلطی کا امکان ہے۔ دوسری طرف جب سارے ملک کے تمام مسائل پیداوار انسانوں کے اس گروہ کے حوالے کر دیے گئے تو ان کی نیت میں فتور آنے کی صورت میں اس کے نتائج پوری قوم کو بھگتنے پڑیں گے۔ اگر سرمایہ دارانہ نظام میں ایک چھوٹا سرمایہ دار محدود وسائل پیداوار پر ملکیت حاصل کر کے چند افراد کو ظلم کا نشانہ بنا سکتا ہے تو اشتراکی نظام میں چند برسر اقتدار افراد پورے ملک کے وسائل پر قابض ہو کر اس سے کہیں زیادہ ظلم کر سکتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ بہت سارے چھوٹے چھوٹے سرمایہ دار ختم ہو جائیں اور ان سب کی جگہ ایک بڑا سرمایہ دار وجود میں آجائے جو دولت کے سارے وسائل کو من مانے طریقے سے استعمال کرے۔
2. اشتراکیت کا منصوبہ بند نظام، ایک انتہائی طاقتور بلکہ جابر حکومت کے بغیر نہ قائم ہو سکتا ہے اور نہ ہی چل سکتا ہے۔ کیوں کہ افراد کو ہمہ گیر ریاست کی منصوبہ بندی کے تابع بنانے کے لیے ریاستی جبر لازم ہے۔ کیوں کہ ہر شخص کو اپنی مرضی کے مطابق کام

کرنے کے بجائے ریاستی منصوبہ بندی کے تحت کام کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے یہ منصوبہ بندی ایک زبردست قوت قاہرہ کے بغیر ممکن نہیں بغیر کام نہیں کر سکتی۔ چناں چہ اشتراکی نظام میں سیاسی آزادیوں کا خاتمہ لازم ہے اور اس طرح فرد کی آزادی تو بہر طور کچلی جاتی ہے۔

3. چوں کہ اشتراکیت میں ذاتی منافع کہ محرک کا بالکل خاتمہ کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے لوگوں کی کارکردگی پر اس کا برا اثر پڑتا ہے۔ انسان یہ سوچتا ہے کہ وہ خواہ چستی اور محنت کے ساتھ کام کرے یا سستی اور کاہلی کے ساتھ دونوں صورتوں میں اس کی آمدنی یکساں ہیں۔ اس لیے اس میں بہتر کارکردگی کا ذاتی جذبہ برقرار نہیں رہتا۔ ذاتی منافع کا محرک الاطلاق بری چیز نہیں۔ بلکہ اگر وہ اپنی حد میں ہو تو انسان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہے اور اسے نت نئی مہم جوئی پر آمادہ کرتا ہے۔ اس فطری جذبے کو حد میں رکھنے کے لیے لگام دینے کی بے شک ضرورت ہے لیکن اس کو بالکلیہ کچل دینے سے انسان کی بہت سی صلاحیتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔

ان خرابیوں کی جانب توجہ مبذول کرانے کے بعد مفتی تقی عثمانی صاحب رقم طراز ہیں:

"یہ تمام خرابیاں محض نظریاتی نوعیت کی نہیں ہیں بلکہ اشتراکیت کی پہلی تجربہ گاہ روسRussia میں 74 سال کے تجربے نے یہ تمام خرابیاں پوری طرح ثابت کر دی ہیں۔ ایک زمانے میں ابھی کچھ عرصہ پہلے تک اشتراکیتSocialism اور نیشنلائزیشنNationalization کا طوطی بولتا تھا اور جو شخص اس کے خلاف زبان کھولتا اسے رجعت پسند اور سرمایہ دار کا ایجنٹ کہا جاتا تھا۔ لیکن سویت یونین Soviet Union کے خاتمے کے موقع پر خود روس کے صدر بورس یلسن Boris Yeltsinنے کہا کہ کاش اشتراکیت، Utopian نظریے کا تجربہ روس جیسے عظیم ملک میں کرنے کے بجائے افریقہ کے کسی چھوٹے رقبے میں کر لیا گیا ہوتا تاکہ اس کی تباہ کاریوں کو جاننے کے لیے 74 سال نہ لگتے۔"

مفتی صاحب نے جو یوٹوپین کا تذکرہ کیا ہے تو اس کی وضاحت یہ کہ یوٹوپیاUTOPIA کا مفہوم و ترجمہ لامکان ہے اور یہ درحقیقت ایک کتاب کا نام ہے جو قدیم زمانے کے کسی لاطینی یا یونانی بادشاہ نے لکھی تھی۔ جس میں ایک خیالی ریاست کا تصور پیش کیا گیا تھا جہاں تمام اشیاء انسانوں کی مشترک ملکیت ہیں۔ ہر شخص جو چیز چاہتا ہے اپنی خواہش کے مطابق قیمت دیے بغیر حاصل کر لیتا ہے اور کسی پر کوئی پابندی نہیں۔ یہ چونکہ ایک ناممکن العمل تصور تھا اس لیے یہ لفظ ایک خیالی جنت کے معنی میں استعمال ہونے لگا جس کے حاصل کرنے کا کوئی امکان نہ ہو اور جو کوئی شخص اس دھن کے خیالی منصوبہ بنائے اس کو یوٹوپینUtopian کہا جاتا۔

اشتراکیت نے چونکہ ذاتی منافع کے محرک کو بالکل ختم کر دیا جس کے نتیجے میں پیداوار کی کمیتQuantity اور کیفیت Quality دونوں میں کمی آئی۔ کیوں کہ اشتراکیت میں ہر کام کرنے والے کو طے شدہ اجرت ہی ملتی ہے تو اس کو اس کام سے ذاتی دلچسپی نہیں ہوتی جو اسے کارکردگی بہتر بنانے پر آمادہ کرتی۔ اس کا کسی قدر اندازہ آپ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ پاکستان میں بھی ایک مرتبہ مختلف صنعتوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا تھا اور یہ اسی اشتراکی پروپیگنڈے کا نتیجہ تھا۔ سالہا سال کے تجربے کے بعد قومی ملکیت میں لیے گئے ادارے مسلسل انحطاط پذیر رہے۔ جس کے نتیجہ بالآخر انہیں دوبارہ ذاتی ملکیت میں دے دیا گیا۔ جس کے لیے آج کل نج کاری یعنی پرائیویٹائزیشنPrivatization کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

یہی حال روس میں ہوا کہ پیداوار کی کمیت اور کیفیت میں اتنا نقصان آیا کہ ملک دیوالیہ ہونے کے قریب ہو گیا سویت یونین تو بعد میں شکست و ریخت کا شکار ہوا۔ لیکن اس سے کئی سال پہلے جب سوویت یونین کے حکمران کمیونزم کو سنبھالا دینے کی کوشش کر رہے تھے اس وقت سوویت یونین کے صدر میں میخائل گورباچوفMikhail Gorbachev نے ملک کی تعمیر نو کا پروگرام اپنی کتاب پیرس ٹرائیکا

Perestroika میں پیش کیا تھا۔ اس کتاب میں اس نے کمیونزم کی براہ راست تردید نہیں کی تھی لیکن اس بات پر زور دیا کہ اشتراکیت کی نئی تشریح کی ضرورت ہے اور اس نئی تشریح میں اس بات کا بارہا اعتراف کیا کہ اب ہمیں اپنی معیشت از سر نو تعمیر کرنے کے لیے بازار کی قوتوں سے ضرور کام لینا پڑے گا۔

اشتراکیت میں دولت کی پیدائش اور تقسیم

اب تک جو بحث کی گئی وہ سوشلزم کے بارے میں بنیادی نظریاتی بحث تھی اب ہم مختصر طور پہ اشتراکیت کے جو بنیادی نظریات پیچھے بیان کیے گئے ان پر عمل کرنے کے لیے، سوشلزم کیا طریق کار اختیار کرتا ہے؟ پہ بحث کریں گے۔

اس طریقے کار کو عموماً علم معاشیات میں چار عنوانات کے تحت بیان کیا جاتا ہے:

1. **پیدائش دولت** Production of Wealth

اس عنوان کے تحت ان مسائل سے بحث ہوتی ہے جو دولت کی پیداوار سے متعلق ہیں، یعنی یہ بتایا جاتا ہے کہ ہر نظام معیشت کے تحت پیداوار حاصل کرنے کے لیے کیا طریقے اختیار کیے جاتے ہیں؟ اس میں فرد اداروں اور حکومت وغیرہ کا کیا کردار ہوتا ہے؟ اس عنوان کا عربی نام "انتاج الثروۃ" ہے۔

2. **تقسیم دولت** Distribution of Wealth

اس عنوان کے تحت اس بات سے بحث ہوتی ہے کہ حاصل شدہ پیداوار کو اس کے مستحقین کے درمیان کس طریقہ کار کے تحت تقسیم کیا جائے؟ اس کو عربی میں "توزیع الثروۃ" کہتے ہیں۔

3. **مبادلہ دولت** Exchange of Wealth

اس عنوان کے تحت ان طریقوں سے بحث کی جاتی ہے جو لوگ ایک چیز کے بدلے دوسری چیز حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتے ہیں۔ اس عنوان کو عربی میں "مبادلۃ الثروۃ" کہتے ہیں۔

4. **صرف دولت** Consumption of Wealth

اس عنوان کے تحت حاصل شدہ پیداوار یا دولت کو خرچ کرنے سے متعلق مسائل سے بحث ہوتی ہے۔ اس کو عربی میں "استھلاک الثروۃ" کہتے ہیں۔

اشتراکی نظام میں پیدائش اور تقسیم دولت

سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں یہ بات ایک مسلمہ اصول کے طور پر طے شدہ ہے کہ کسی بھی چیز کی پیداوار میں چار عوامل کار فرما ہوتے ہیں جن کو اردو میں عوامل پیداوار اور عربی میں "عوامل الانتاج" اور انگریزی میں Factors of Production کہتے ہیں۔ چناں چہ سرمایہ دارانہ نظام کے ہاں چار عوامل پیداوار مندرجہ ذیل ہیں:

1. زمین
2. محنت
3. سرمایہ
4. آجر

اشتراکیت کا کہنا یہ ہے کہ حقیقتاً عوامل پیداوار چار نہیں، بلکہ صرف دو ہیں۔ ایک زمین اور دوسری محنت، انہی دونوں کے اشتراک سے پیداوار وجود میں آتی ہے۔ ''سرمایہ'' کو اس لیے عامل پیداوار نہیں کہہ سکتے کہ وہ خود کسی عمل پیدائش کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور آجر کو اس لیے مستقل عامل پیداوار قرار دینے کی ضرورت نہیں کہ اس کا عمل محنت میں داخل ہو سکتا ہے۔ دوسرے خطرہ مول لینے کی صفت کسی شخص یا پرائیویٹ ادارے میں تسلیم کرنے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ یہ کام اشتراکی نظام میں حکومت کرتی ہے۔ افراد کو کاروباری مہم جوئی کی نہ اجازت ہے اور نہ ضرورت۔ چوں کہ اشتراکی نظام میں حقیقی عامل پیداوار صرف زمین اور محنت ہے۔ اور زمین کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہوتی، اس لیے اس کو الگ سے معاوضہ دینے کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا تقسیم دولت کی صرف ایک مدرہ جاتی ہے اور وہ ہے اجرت، جس کا تعین سرکاری منصوبہ بندی کے تحت ہوتا ہے۔

کارل مارکس Karl Marx کا مشہور نظریہ ہے کہ کسی چیز کی قدر میں اضافہ صرف محنت سے ہوتا ہے۔ اس لیے اجرت کا استحقاق صرف محنت کو ہے۔ سرمایہ کا سود، زمین کا لگان اور آجر کا نفع ایک فالتو چیز ہے، جسے مصنوعی طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ اس نظریہ کو قدرِ زائد کا نظریہ Theory of Surplus Value کہا جاتا ہے اور اس کا عربی نام ''نظریۃ القدر'' ہے۔

اشتراکیت نے ابتدا یہ دعویٰ کیا تھا کہ منصوبہ بند معیشت میں آمدنی کی مساوات قائم ہوگی، جس کا مطلب یہ تھا کہ تمام افراد کو برابر آمدنی ملے۔ لیکن یہ ایک محض نظریاتی خواب تھا اور بعد میں نہ صرف یہ کہ عملاً کبھی مساوات قائم نہیں ہوئی۔ بلکہ نظریاتی طور پر بھی مساوات کا دعویٰ واپس لے لیا گیا۔ اور وہاں بھی اجرتوں کے درمیان شدید تفاوت قائم ہوا۔ چونکہ اجرتوں کا تعین تمام تر حکومت کرتی تھی، اس لیے اس تعین میں ایک عام مزدور کو کوئی دخل نہیں تھا اور اگر اس کو اجرت کا یہ تعین غیر منصفانہ محسوس ہو تو اس کے خلاف چارہ جوئی کی بھی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ سرمایہ دارانہ نظام میں کم از کم یہ ہوتا ہے کہ اگر مزدور اپنی اجرت بڑھوانا چاہے تو اس لیے نہ صرف یہ کہ آواز بلند کر سکتے ہیں بلکہ احتجاج کے ذرائع دوسرے ذرائع، مثلاً: ہڑتال وغیرہ بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ لیکن اشتراکی نظام سیاست میں اس قسم کی اواز بلند کرنے احتجاج کے ذرائع اختیار کرنے کی بھی کوئی گنجائش نہیں اس لیے عملاً اشتراکی نظام میں مزدور کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا۔ بلکہ آخر میں نتیجہ یہی نکلا کہ اشتراکی ممالک کے محنت کشوں کا معیار زندگی سرمایہ دارانہ نظام کے مزدور سے بھی کم تر رہا اور بالآخر لوگوں نے تنگ آکر پھر اسی سرمایہ دارانہ نظام کا خیر مقدم کیا، جس سے وہ نکل کر بھاگے تھے۔

یہ نتائج ان ملکوں میں زیادہ واضح طور پر مشاہدے میں آئے، جہاں ایک ہی ملک کا کچھ حصہ اشتراکیت کے زیر اثر تھا اور دوسرا حصہ سرمایہ دارانہ نظام کے زیر اثر تھا، مثلاً: مشرقی اور مغربی جرمنی کی مثال لے لیجیے، مغربی جرمنی ترقی کرتا ہوا کہیں سے کہیں پہنچ گیا، اور مشرقی جرمنی اس کے مقابلے میں بہت پیچھے رہ گیا۔ وہاں کے مزدوروں کی حالت بھی مغربی جرمنی کے مقابلے میں پس ماندہ رہی یہاں تک کہ لوگوں نے تنگ آکر دیوار برلن توڑ دی، اور اشتراکیت کی ناکامی کا عملاً اعتراف کر لیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام میں تقسیم دولت واقعتاً منصفانہ تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کی جن خرابیوں کے رد عمل کے طور پر اشتراکیت وجود میں آئی تھی وہ بڑی حد تک اب بھی برقرار ہیں، ذاتی منافع کے محرک کو بے لگام چھوڑنے سے اجارہ داریاں اب بھی وجود میں آتی ہیں۔ سود، قمار اور سٹے کا بازار اب بھی گرم ہے۔ جس کے نتیجے میں ہزارہا عوام کی دولت کھچ کھچ کر چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹتی رہتی ہے اور عوام کے سفلی جذبات کو برانگیختہ کر کے ان سے پیسے کھینچنے کا عمل اب بھی جاری ہے، بہت سے سرمایہ دار ممالک میں ایسے لاکھوں افراد اب بھی موجود ہیں، جن کے پاس سر چھپانے کو گھر نہیں اور سردیوں کی راتوں میں زیر زمین ریلوے اسٹیشن میں پناہ لیتے ہیں۔

خلاصہ

ہماری منتخب کردہ کتب میں سوشلزم کے اقتصادی، سماجی اور اخلاقی اثرات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور اس کے نظریات کی حقیقت پسندی پر سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ ان کتب کا مقصد صرف سوشلزم کی حمایت یا مخالفت نہیں بلکہ اس نظام کے اصل اثرات کو سمجھنا ہے تاکہ ہم اس کی کامیابی یا ناکامی کا بہتر تجزیہ کر سکیں۔ سوشلزم کے اقتصادی پہلو پر جو تنقید کی گئی ہے، وہ اس بات پر مبنی ہے کہ سوشلزم کے تحت حکومت تمام وسائل اور پیداوار پر قابض ہو جاتی ہے، جس سے افراد کی ذاتی ملکیت اور معاشی آزادی محدود ہو جاتی ہے۔ اردو ادب میں یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ کیا ایک مرکزی حکومت کو تمام وسائل کی تقسیم کا اختیار دینا عملی طور پر کامیاب ہو سکتا ہے؟ کئی مصنفین نے اس بات کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے کہ سوشلزم کے تحت پیداوار کے ذرائع پر حکومت کا قبضہ معاشی ترقی کے لیے ضروری ترغیب اور تخلیقی صلاحیتوں کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ اگر ہر فرد کو یکساں وسائل ملیں گے تو لوگوں میں محنت اور مسابقت کی کمزوری آجائے گی، جس سے معیشت میں سست روی پیدا ہو سکتی ہے۔

سوشلزم کے سماجی پہلو پر بھی تفصیل سے بات کی گئی ہے۔ بعض کتب میں کہا گیا کہ سوشلزم طبقاتی فرق کو ختم کرنے کا وعدہ کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود معاشرے میں نیا طبقاتی فرق پیدا ہوتا ہے، کیونکہ حکومتی اہلکاروں اور اداروں کا ایک خاص طبقہ پیدا ہو جاتا ہے جو وسائل پر قابض ہوتا ہے۔ یہ نیا طبقاتی فرق ایک غیر واضح شکل اختیار کر لیتا ہے جس کی وجہ سے سوشلزم کی اصل ہدف یعنی معاشرتی مساوات پورا نہیں ہو پاتا۔ اردو کتب میں یہ تنقید کی گئی ہے کہ سوشلزم کے تحت فرد کی آزادی اور اس کی ذاتی خودمختاری محدود ہو جاتی ہے۔ افراد کی ذاتی آزادی کے بجائے ریاستی کنٹرول بڑھتا ہے، جو ایک جدید طرز کی غلامی کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ اس میں خاص طور پر اس بات کو اجاگر کیا گیا ہے کہ سوشلزم کے تحت افراد کو اپنے ذاتی مفاد کی بجائے ریاست کے مفاد کو ترجیح دینی پڑتی ہے، جو کہ معاشرتی فرد کی ترقی کے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔

حوالاجات

[1] () محمدتقی عثمانی مفتی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت(ادارۃ المعارف کراچی،سن ندارد)،۲۸

[2] (1) محمدتقی عثمانی مفتی، ہمارا معاشی نظام (زم زم بک ڈپو،۱۹۹۶ء)،۷۹

[3] (2) سید ابو الاعلیٰ مودودی مولانا، اسلام اور جدید معاشی نظریات(اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۹۵۹ء)،۵۳

[4] تقی عثمانی ، اسلام اور جدید معیشت و تجارت،۳۲

[5] سید ابو الاعلیٰ مودودی مولانا، اسلام اور جدید معاشی نظریات(اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۹۵۹ء)،۴۶

[6] (1) وحید الدین خاں مولانا، سوشلزم اور اسلام (مکتبہ الرسالہ نئی دہلی، ۱۹۸۵ء)،۱۴۷

[7] (2) أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي، السنن الكبرى، (بیروت : دار الکتب العلمیةلبنان، ۱۴۲۴ھ)، رقم الحدیث: ۱۷۵۳۶

[8] (3) مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري، المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، (بيروت: دار إحياء التراث العربي، سن ندارد)، رقم الحديث:۲۵۶۴